بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ

(قرآن کے آئینے میں)

پچھلے دنوں ہمیں متعدد استفسارات موصول ہوئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں نماز (صلوٰۃ) کا مفہوم و مقصود واضح کیا جائے۔ صلوٰۃ چونکہ اسلامی نظام کی اساس ہے اس لئے اس موضوع پر طلوع اسلام میں جستہ جستہ بکثرت لکھا گیا ہے۔ جامع طور پر یہ موضوع پرویزؒ صاحب کی لغات القرآن میں بارہ تیرہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور مطالب الفرقان۔ جلد اول۔ میں عنوان یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ (آیت 2/3) کے تابع یہ موضوع پورے باب پر محیط ہے۔ ذیل میں اس باب کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی مقام پر تشنگی محسوس ہو تو آپ مطالب الفرقان خود ملاحظہ فرما لیں۔ اس مضمون میں جہاں یہ آئے گا کہ اس کی تشریح دوسرے مقام پر کی جائے گی تو اس سے مراد مطالب الفرقان کا کوئی دوسرا مقام ہو گا۔

اس مقالہ میں بعض اضافے بھی کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے یہ مطالب الفرقان کے مقابلہ میں خود مکتفی ہو گیا ہے۔ (طلوع اسلام)

صلوٰۃ کے لغوی معنی صلوٰۃ کا مادہ (ص۔ل۔ و) ہے ویسے اس کا مادہ (ص۔ ل۔ ی) بھی ہو سکتا ہے۔ (لیکن یہ فنی بحث ہے جسے میں نے "لغات القرآن" میں بیان کیا ہے۔ اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں)۔ بنیادی طور پر اس کے معنے ہوتے ہیں' کسی کے پیچھے پیچھے چلتے جانا۔ چونکہ عرب' نظری اور تجریدی حقائق کا مفہوم محسوسات کے ذریعے واضح کیا کرتے تھے اس لئے ان کے ہاں گھڑ دوڑ میں جو گھوڑا دوسرے نمبر پر اس طرح

مسلسل دوڑتا جائے کہ اس کی کنوتیاں پہلے نمبر والے گھوڑے کی سرین سے مل رہی ہوں تو وہ آگے جانے والے گھوڑے کو "سابق" کہتے تھے اور اس دوسرے نمبر والے گھوڑے کو اَلْمُصَلِّیْ۔ اسی بناء پر امام راغب نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں جو آیا ہے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (74/43) ہم مصلین میں سے نہیں تھے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انبیاء کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں تھے۔ لغت کی اہم کتاب تاج العروس میں ہے کہ اس مادہ کے معنوں میں لزوم (وابستگی) یعنی کسی کے ساتھ لگے رہنے اور چپٹے رہنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس جہت سے قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ صلٰوۃ کے معنے ہوں گے نظام خداوندی سے وابستگی۔ حدود اللہ کے اندر رہنا۔ کتاب اللہ سے چپٹے رہنا۔ اس بناء پر' صلٰوۃ کے معنی خدا کی طرف سے متعین کردہ فرائض منصبی کے بھی آتے ہیں۔ ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ "الصلٰوۃ" سے مفہوم صرف نماز نہیں۔ اس میں پورے کے پورے قوانین و احکام خداوندی اور اس کے عائد کردہ فرائض منصبی آجاتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں مومنین کی دعا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (1/5) اور سورۃ ہود میں ہے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (11/56)۔ میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔ نظر بظاہر یوں دکھائی دے گا گویا خدا صراط مستقیم پر آگے آگے جا رہا ہے اور مومنین اس کے پیچھے پیچھے چلنے کی دعا مانگ رہے ہیں۔ (صلٰوۃ میں یہی مفہوم مضمر ہے) لیکن اس طرح کا تشبیہی مفہوم خدا کے تنزیہی تصور کے خلاف ہے اس لئے اس سے مراد وہ نظام کائنات ہو گا' جو قوانین خداوندی کا اتباع کرتے ہوئے اپنے ارتقائی منازل طے کر رہا ہے۔ یہ مفہوم سورۃ النور" کی اس آیت سے نکھر کر سامنے آجاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (24/41)۔ کیا تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ ارض و سماوات کی ہر شے اور فضائے سماوی میں پرفشاں پرندے خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی تسبیح اور

صلٰوۃ کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہے۔"
لفظ تسبیح کی تشریح تو آگے چل کر اپنے مقام پر آئے گی یہاں مجملاً اتنا بتا دینا کافی ہو گا کہ اس کے معنی ہوتے ہیں' مقصد پیش نظر کے حصول کے لئے بھرپور کوشش کرنا اور اس کے لئے اپنی بھرپور توانائیاں صرف کر دینا۔ اس آیت میں کہا یہ گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تسبیح اور صلٰوۃ کو جانتی ہے۔ بات واضح ہے کہ کائنات کی ہر شے یہ بھی جانتی ہے کہ اس کے فرائض منصبی کیا ہیں۔ اور یہ بھی کہ ان کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہے جس کے لئے انہیں مصروف جدوجہد رہنا ہے۔ یہاں سے صلٰوۃ کا بنیادی مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ فرائض جو خدا کی طرف سے عائد کئے جائیں۔

ضیاع صلٰوۃ

دوسرے مقام پر قرآن کریم نے خود انسانوں کے متعلق وضاحت کر دی ہے کہ الصلٰوۃ کا مفہوم کیا ہے اور اس کا نتیجہ کیا۔ اس کے قیام سے کیا حاصل ہوتا ہے اور اس کے ضائع کر دینے سے کیا تباہی آتی ہے۔ سورۃ مریم میں پہلے مختلف انبیائے کرامؑ کا تذکرہ آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں خدا نے اپنی نعمتوں سے نوازا تھا۔ **فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ** (19/59)- ان کے بعد' ان کی امتوں میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے الصلٰوۃ کو ضائع کر دیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ انہوں نے کیا کیا جس سے الصلٰوۃ کا ضیاع ہو گیا۔ کہا **وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ** (19/59)- وہ اپنے پست جذبات کے پیچھے لگ گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقامت صلٰوۃ اور اتباع جذبات' دو متضاد چیزیں ہیں۔ یہ واضح کیا جا چکا ہے {دیکھئے (1/1)} کہ انسانی جذبات کی تسکین بری چیز نہیں بشرطیکہ ان کا اتباع حدود خداوندی کے اندر رہتے ہوئے کیا جائے۔ یہ تباہیاں اس وقت لاتے ہیں جب یہ سرکش اور بیباک ہو جائیں۔ لہٰذا الصلوۃ کے معنی ہوئے انسانی خواہشات و جذبات کی 'قوانین خداوندی کے مطابق' تسکین و برومندی۔ ان سے' حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے کام لینا۔ انہیں قوانین الٰہیہ کے پیچھے پیچھے چلانا۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد اجتماعی نظام کے تابع ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

وہ نظام جس میں مختلف افراد اپنے اپنے مفادات کے پیچھے بھاگنے کے بجائے خدا کے متعین کردہ نصب العین کی طرف بڑھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اقامت صلوٰۃ کو ایک اجتماعی فریضہ قرار دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں' بلکہ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ الصلوٰۃ کا قیام اسی صورت میں ممکن ہے جب جماعت مومنین کو تمکن فی الارض حاصل ہو۔ ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں حکمرانی کتاب اللہ کی ہو۔ چنانچہ سورۃ الحج میں ہے: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (22/41)۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں تمکن فی الارض حاصل ہو گا' ان کی اپنی مملکت قائم ہو گی ((24/55)۔ تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ معروف احکام نافذ کریں گے اور منکر سے روکیں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ نماز پڑھنے اور مروجہ (اڑھائی فی صد) زکوٰۃ دینے کے لئے اپنی حکومت کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔ مروجہ طریق پر یہ فرائض ہر حکومت میں ادا کئے جا سکتے ہیں۔ ہمیں انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں بھی نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حق حاصل تھا اور آج ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے۔

اپنی آزاد مملکت کی ضرورت متحدہ ہندوستان میں تحریک پاکستان کے دوران نیشنلسٹ علماء کے ساتھ اس نکتہ پر بھی بحث ہوتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو نماز' روزے کی آزادی ہو گی۔ اس لئے اس مقصد کے لئے مسلمانوں کے لئے الگ مملکت کی کیا ضرورت ہے؟ انہیں بتایا جاتا تھا کہ نماز' روزہ (اور دیگر اسلامی احکام پر) جس طرح غیر مسلموں کی حکومت میں عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔' اس سے ان احکام کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے مسلمانوں کی اپنی آزاد حکومت کی ضرورت ہوتی ہے جو قرآن کی بنیادوں پر قائم ہو۔ حتیٰ کہ اگر مسلمانوں کی حکومت بھی غیر قرآنی اصولوں پر قائم ہو تو اس میں بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسلامی مملکت کے متعلق سورۃ الشوریٰ میں ہے۔ کہ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (42/38)- مومنین وہ ہیں جو خدا کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ یعنی اقامت صلٰوۃ کرتے ہیں اور اپنے تمام معاملات کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ اور جو رزق خدا نے انہیں دیا ہے اسے نوع انسانی کی عالمگیر ربوبیت کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔" (یہی ایتائے زکوٰۃ کا مفہوم ہے) یہاں سے بھی ظاہر ہے کہ الصلٰوۃ وہ نظام مملکت ہے جس میں تمام امور جماعت مومنین کے باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں اور جس کا بنیادی فریضہ نوع انسان کی ربوبیت ہے۔ یعنی تمام افراد کی ضروریات زندگی پورا کرنا۔ چونکہ اسلامی نظام کتاب اللہ کے قوانین و اقدار کے عملی نفاذ کے لئے قائم ہوتا ہے اس لئے دوسری جگہ کہا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ (7/170)- یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں اور اس طرح اقامت صلٰوۃ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

الصلٰوۃ اور معاشیات

صلٰوۃ کا دائرہ کس قدر وسیع ہے، اسے قرآن کریم نے حضرت شعیبؑ کے تذکار جلیلہ کے ضمن میں واضح کر دیا ہے۔ سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کے سامنے دعوت خداوندی کو پیش کیا تو حسب معمول انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ شدید کشمکش کے بعد قوم نے حضرت شعیبؑ سے پوچھا کہ یہ بتائیے کہ آپ بالآخر چاہتے کیا ہیں؟- آپ نے فرمایا کہ میں صلٰوۃ کی آزادی چاہتا ہوں (کہ اس میں آپ لوگ مخل نہ ہوں)- اس مذہب پرست قوم نے اپنے خیال کے مطابق سمجھا کہ یہ اپنے طریق پر خدا کی پرستش کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس میں کون سی حرج کی بات ہے۔ یہ جس طرح جی چاہے پوجا پاٹ کر لیا کریں۔ چنانچہ وہ اس پر رضا مند ہو گئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہوں نے دیکھا کہ صلٰوۃ سے حضرت شعیبؑ کا مطلب وہ نہیں تھا جسے وہ سمجھے بیٹھے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ

نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (11/87)- اے شعیبؑ ! یہ تمہاری صلوٰۃ کس قسم کی ہے جو یہ کہتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آرہے ہیں- اور یہ کہ ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق صرف نہ کریں- اس صلوٰۃ کی تو ہم اجازت نہیں دے سکتے- آپ اس آیۃ جلیلہ کے آخری حصہ پر غور کیجئے جس سے واضح ہے کہ صلوٰۃ صرف نماز کا نام نہیں- اس کا دائرہ معاشیات تک کو بھی محیط ہوتا ہے-

صلوٰۃ اور معاشی نظام کا تعلق

ہم نے سورۃ حج کی آیت (22/41)- میں دیکھا ہے کہ کہا یہ گیا ہے کہ جماعت مومنین کی اپنی مملکت قائم ہوگی تو وہ اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دیں گے- دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (29/45)- یہ حقیقت ہے کہ الصلوٰۃ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے- فحشاء کی تفصیلی بحث تو آگے چل کر سامنے آئے گی- یہاں ہم اپنے آپ کو 'منکر' تک محدود رکھنا چاہتے ہیں- پہلے نہی عن المنکر، مملکت کا فریضہ بتایا گیا اور یہاں یہ کہا گیا کہ یہ کام الصلوٰۃ کرے گی- یہاں سے بھی ظاہر ہے کہ الصلوٰۃ اس نظام ہی کا نام ہے جس کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے- جہاں تک ہماری نمازوں کا تعلق ہے یہ واضح ہے کہ ان سے فحشاء اور منکرات نہیں رکتے- بے نمازوں کو تو چھوڑیئے، کتنے نمازی ہیں جو بڑی باقاعدگی سے نمازیں پڑھتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ منکرات کے مرتکب بھی ہوتے ہیں- لہٰذا منکرات، نظام صلوٰۃ (اسلامی نظام مملکت) ہی سے رک سکتے ہیں- منکر کے بعد فحشاء کو لیجئے- لفظ فحشاء کا مادہ (ف- ح- ش) ہے جس میں ہر امر شنیع (قابل نفرت) آجاتا ہے- لیکن عربوں کے ہاں، جب فحش لفظ بولا جاتا تھا تو اس کے معنے عام طور پر بے حیائی کے لئے جاتے تھے لیکن فحشاء کے معنی بخل کے تھے کیونکہ ان کے ہاں بخل انتہائی درجہ کی قابل نفرت خصلت تھی- جہاں تک منکر کا تعلق ہے اس میں بھی ہر معیوب بات آجاتی

ہے لیکن بنیادی طور پر اس کے معنے ہوتے ہیں عقل خود بین (یعنی صرف اپنا ہی مفاد سوچنے والی عقل) کی حیلہ جوئیاں اور فریب کاریاں۔ عقل کو اگر وحی سے آزاد کر دیا جائے تو اس کا منصب یہ رہ جاتا ہے کہ وہ انسان کو اس کے ہر فعل اور فیصلہ کے لئے جواز کی دلیلیں سمجھاتی اور سجھاتی رہے۔ بنابریں الصلٰوۃ کا مقصد یہ بتایا گیا کہ وہ انسان کے دل سے بخل کے جذبات نکال دیتی ہے اور عقل خود بین کو اس کے جواز کی راہیں سجھانے کے راستے میں روک بن جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ غائت کے اعتبار سے الصلٰوۃ اور معاشی نظام میں کتنا گہرا تعلق ہے۔ بالفاظ دیگر صلٰوۃ کا عملی نتیجہ یہ ہو گا کہ معاشرہ سے ہر قسم کی بے حیائی ختم ہو جائے' اور افراد معاشرہ کے دل سے بخل کی تنگ نظری اور خود غرضی کے جذبات نکل جائیں اور ان کی جگہ وسعت قلب اور کشائش کے جذبات پیدا ہو جائیں جن کی رو سے زندگی کا مقصد اپنے مفاد کا حصول ہی نہ ہو بلکہ نوع انسان کی منفعت ہو۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ بقاء اسی عمل' اسی نظریہ' اسی نظام کے لئے ہے جس سے مقصود نوع انسان کی منفعت ہو (13/17)۔ صلٰوۃ کا نتیجہ اس قسم کا تغیر نفسی ہونا چاہئے۔

تکذیب دین سورۃ الماعون' (107) میں کہا گیا ہے: **ارء یت الذی یکذب با لدین** (107/1)۔ تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں جو دین کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ذکر ان کا ہے جو دین سے متمسک ہونے کے مدعی ہیں۔ (یعنی ہماری طرح اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں) لیکن عملاً دین کو جھٹلاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں جس سے دین کو جھٹلاتے ہیں۔ فرمایا:

فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ (107/2-3)۔ یہ وہ ہے کہ جو' اس شخص کو' جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے' دھکے دیتا ہے (لفظ یتیم میں وہ بچے بھی آجاتے ہیں جن کے ماں باپ مر چکے ہوں اور وہ بھی جو

معاشرہ میں تہی۔۔۔۔۔۔۔ کسمپرسی کے عالم میں رہ جائیں)۔ ان لوگوں کو دھکے دینے کا مفہوم سورۃ الفجر کی ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ انسان کی حالت یہ ہے کہ اگر اس پر رزق کی تنگی آجاتی ہے تو چلا اٹھتا ہے کہ رَبِّیٓ اَهَانَنِ (89/16)- دیکھئے! خدا نے مجھے یونہی ذلیل و خوار کر دیا۔ میں نے تو کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا۔ جس کی مجھے اس طرح سزا ملتی۔ کہا کہ یہ غلط ہے کہ ہمارے ہاں سے کسی پر ذلت و خواری کا عذاب یونہی مسلط کر دیا جاتا ہے۔ یہ تمہاری ذلت و خواری' تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور وہ اعمال یہ تھے : كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ (89/17)- تم ان لوگوں کو مستحق تکریم و احترام نہیں سمجھا کرتے تھے۔ جو معاشرہ میں تہا رہ جاتے تھے۔ تمہارے نزدیک واجب التکریم وہی لوگ قرار پاتے تھے جن کا جتھہ (پارٹی) بڑا ہو۔ تمہارا دوسرا جرم یہ تھا وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ (89/18)- جو لوگ کام کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے (جن کی حرکت رک جاتی تھی)۔ تم ایسا انتظام نہیں کرتے تھے جس سے انہیں سامان زیست میسر آجائے۔ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا (89/19)- تم باپ دادا کی میراث خود ہی ہڑپ کر جاتے تھے۔ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (89/20)- اور چاہتے یہ تھے کہ ساری دنیا کی دولت سمٹ سمٹا کر تمہارے پاس جمع ہو جائے۔

اس کے بعد آپ پھر سورۃ الماعون کی طرف آجایئے جہاں کہا گیا ہے کہ تکذیب دین وہ کرتا ہے جو معاشرہ میں تہا رہ جانے والوں کی عزت و تکریم کرنے کی بجائے انہیں دھکے دیتا ہی اور وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ (107/3)- معذور لوگوں کی روٹی کا انتظام نہیں کرتا۔ اس کے بعد ہے : فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ (107/4)- یہ وہ مصلین (نمازی) ہیں جن کی نمازیں ان کے لئے تباہی کا موجب بن جاتی ہیں۔ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ○ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (107/5-7)- یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کی مرئی اور محسوس حرکات ہی کو صلوٰۃ سمجھ لیتے ہیں اور اس کی روح اور غرض

و غایت کی طرف سے غفلت برتتے ہیں یعنی نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن رزق کے ان سرچشموں' جنہیں نوع انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے رواں دواں بہتے رہنا چاہیے تھا' کے سامنے بند لگا کر انہیں اپنے لئے روک لیتے ہیں۔ یہ ہیں وہ مصلین جن کی نماز ان پر تباہیاں لاتی ہے اور یہی ہیں وہ لوگ جو دین کی تکذیب کرتے ہیں۔

سورۃ المدثر میں ہے کہ جہنم کے داروغے مجرمین سے پوچھیں گے کہ تم کون سے ایسے جرائم کے مرتکب ہوئے تھے جن سے تم داصل جہنم ہو رہے ہو۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (74/43-46)۔ وہ جواب میں کہیں گے کہ ہم مصلین میں سے نہیں تھے۔ ہم معذوروں اور محتاجوں کی روٹی کا انتظام نہیں کیا کرتے تھے۔ ہم ان امور کے متعلق باتیں تو بہت بنایا کرتے تھے لیکن عملاً کچھ نہیں کیا کرتے تھے۔ اور یوں ہم دین کی تکذیب کرتے تھے۔

یہ تو دین کی تکذیب کرنے والے مصلین تھے۔ اس کے مقابلہ میں سورۃ المعارج میں قرآن کریم نے اپنے مخصوص محاکاتی انداز میں کہا ہے کہ تدعوا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى (70/17)۔ جہنم آوازیں دے دے کر بلائے گی ان لوگوں کو جن کا شیوہ یہ تھا کہ جب انہیں دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بلایا جاتا تو وہ یا تو پیٹھ موڑ کر چل دیتے' اور اگر بات سن لیتے تو گریز کی راہیں نکالتے۔ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى (70/18)۔ یہ وہ لوگ تھے جو دولت جمع کرتے تھے اور اپنی تھیلیوں کا منہ کس کر بند کر لیتے تھے۔ اس کے بعد کہا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ○ (70/19-21)۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اگر وحی کی اقدار سے بے نیاز ہو جائے تو اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا وہ بڑا بے صبرا بن جاتا ہے۔ ایسا بے صبرا کہ ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے تو واویلا مچا دیتا ہے اور جب خوش حالی آتی ہے تو مال و دولت کو روک کر رکھ لیتا ہے۔ اس

کے بعد کہا: اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○ (70/22)- لیکن مصلین ایسے نہیں ہوتے- یعنی وہ لوگ جو الصلوٰۃ کی "التزاما" پابندی کرتے ہیں- اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ (70/23-26)- یہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کے مال و دولت میں ان لوگوں کا حق ہے- جن کی ضروریات ان کی محنت کے ماحصل سے پوری نہیں ہوتیں یا وہ بالکل معذور ہو جاتے ہیں- یہی لوگ ہیں جو یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں- ان آیات میں "حق معلوم" کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں- یعنی سائل و محروم' نہ تو ان سے خیرات مانگتے ہیں نہ یہ انہیں بطور خیرات کچھ دیتے ہیں- یہ دونوں جانتے ہیں کہ ان کے مال میں ہر ضرورت مند کا حق ہے- وہ اسے بطور استحقاق (As Of Right) طلب کر سکتے ہیں- ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نظام انفرادی زکوٰۃ اور خیرات کا نہیں- یہ وہ نظام ہے جس کا فریضہ تمام افراد انسانیہ کی ربوبیت ہے- اس نظام میں ہر ضرورت مند کو سامان زیست اس کے حق کے طور پر ملتا ہے- اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ یہ ہے- اور یہ اقامت صلوٰۃ کا لازمی نتیجہ ہے-

ہم اوپر (سورۃ الماعون میں) دیکھ چکے ہیں کہ تکذیب دین کرنے والے وہ لوگ ہیں جو نماز کی محسوس اور مرئی حرکات (رکوع و سجود وغیرہ) ہی کو الصلوٰۃ سمجھ لیتے ہیں- اور اس کی روح' مقصد اور غرض و غایت کو نظرانداز کر دیتے ہیں- سورۃ نساء میں ان لوگوں کو منافقین کہا گیا اور ان کی حالت یہ بتائی گئی ہے کہ:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ (4/142)- جب وہ الصلوٰۃ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسالی کی کیفیت لئے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں- یعنی وہ ان حرکات و سکنات کی ادائیگی سے سمجھ لیتے ہیں کہ صلوٰۃ کا فریضہ پورا ہو گیا- وہ حرکات و سکنات' جنہیں لوگ دیکھ سکیں اور اس طرح ان کی تعریف کریں کہ یہ بڑے پکے نمازی ہیں- اس آیت میں لفظ کسالی میں

ایک لطیف نکتہ مضمر ہے۔ روئی دھننے والے کے پاس دھنک ہوتی ہے جس میں کمان کے ساتھ تانت لگی ہوتی ہے۔ ان دونوں کے یکجا ہونے سے روئی دھننے کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر تانت اور کمان کو الگ الگ کر دیا جائے تو یہ مقصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ "الکسل" اس تانت کو کہتے ہیں جو کمان سے الگ کر دی گئی ہو۔ آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ وہ صلوٰۃ جس میں اس کی محسوس حرکات سے اس کے مقصد و غایت کو الگ کر دیا جائے' میزان خداوندی میں کیا وزن رکھ سکتی ہے۔

سورۃ التوبہ میں منافقین کی یہ کیفیت بتائی گئی ہے : **وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ** (9/54)۔ وہ صلوٰۃ کی طرف آتے ہیں تو کسالی کی کیفیت لئے ہوئے اور اگر دین کی خاطر کچھ دیتے ہیں تو بیگار سمجھتے ہوئے !

ان آیات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہو گی کہ قرآن کی رو سے صلوٰۃ اور نظام معیشت کا کس طرح چولی دامن کا ساتھ ہے اور جس صلوٰۃ سے معاشی نظام کو الگ کر دیا جائے یا جس معاشی نظام کو نظام صلوٰۃ سے جدا کر دیا جائے' قرآن کریم کی رو سے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

صرف حرکات و سکنات صلوٰۃ نہیں

ہم نے اوپر کہا ہے کہ اگر صلوٰۃ کی غرض و غایت پیش نظر نہ ہو اور صرف نماز کی حرکات و سکنات (ارکان) کو صلوٰۃ سمجھ لیا جائے تو قرآن اسے صلوٰۃ تسلیم نہیں کرتا۔ اس فرق کو اس نے سورۃ بقرہ کی آیت (ص 177) میں بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ جہاں فرمایا **لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ**۔ نیکی اور کشاد کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ **وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ**۔ نیکی اس کی ہے جو اللہ۔ آخرت۔ ملائکہ۔ کتب اور انبیاء پر ایمان لائے۔ اور اس کے بعد **وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ**۔ مال کی محبت کے

علی الرغم اسے ضرورت مند اقرباء- یتاماء- مساکین- مسافروں- محتاجوں کو دے- اور انہیں دے جو انسانوں کی محکومیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں- اس کے بعد ہے وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ .... (الخ) اور وہ اس طرح اقامت صلٰوۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کریں- آپ نے غور فرمایا کہ اقامت صلٰوۃ سے کیا مفہوم ہے اور ایتائے زکوٰۃ سے کیا مقصود؟ اقامت صلٰوۃ کا مفہوم ہے ایمان کے بعد اپنی دولت کو ضرورت مندوں اور محتاجوں کے لئے کھلا رکھنا- اور ایتائے زکوٰۃ سے مراد ہے افراد معاشرہ کو سامان نشوونما مہیا کرنا-

اور اس کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ آپ صلٰوۃ (نماز) میں کہیں اس کے معنی اور مطلب آپ کو معلوم ہو- ارشاد خداوندی ہے-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

(4/43)- "اے ایمان والو! جب تم مدہوشی کی حالت میں ہو تو اجتماعات صلٰوۃ میں شریک نہ ہو- ان میں اس وقت شریک ہو جب تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو"- اس میں ذکر تو بالخصوص حالت مدہوشی کا ہے لیکن اصول یہ ہے کہ صلٰوۃ اس طرح ادا کرو کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو تمہیں اس کے معانی اور مطلب معلوم ہو- جن الفاظ کے معانی معلوم نہ ہوں ان کے دہرانے سے فائدہ کیا ہے؟ (لیکن ہمارے ہاں تو پورے کے پورے قرآن کے الفاظ بلا سوچے سمجھے دہرائے جاتے ہیں- صلٰوۃ کا ذکر کیا؟)-

بہرحال آیت (2/177)- سے واضح ہے کہ صلٰوۃ سے مقصود ظاہراً ارکان کی ادائیگی ہی نہیں- اس کا مقصد محتاجوں اور مسکینوں کی ضروریات زندگی بہم پہنچانا ہے- بالفاظ دیگر صلٰوۃ انسان کو اس ایثار کے لئے آمادہ کر دیتی ہے- اگر صلٰوۃ کا نتیجہ یہ نہیں تو وہ محض میکانکی عمل ہے-

نماز اگرچہ قرآن کریم کی رو سے اقامت صلٰوۃ کا مفہوم وہ نظام قائم کرنا ہے جس میں تمام افراد معاشرہ' قوانین خداوندی کا اتباع کرتے چلے جائیں' اور کوئی فرد اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے- لیکن قرآن

کریم میں یہ لفظ (صلٰوۃ) اس شکل کے لئے بھی آیا ہے جسے نماز کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ نماز قدیم فارسی (پہلوی) زبان کا لفظ ہے۔ ایران کے مجوس (جنہیں ہمارے ہاں پارسی کہا جاتا ہے) اپنے طریق پرستش کو نماز کہا کرتے تھے۔ انہی کے ہاں سے یہ لفظ ہمارے ہاں (ہند و پاک) میں آیا اور ایسا عام ہوا کہ اب صلٰوۃ کی جگہ یہی لفظ استعمال ہوتا ہے، حالانکہ قرآن کریم میں یہ لفظ کہیں نہیں آیا۔ بایں ہمہ، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، الصلٰوۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں اب نماز کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اسلامی نظام کے متعلق سورۃ الشوریٰ میں ہے:
وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (42/38)۔ "یہ وہ لوگ ہیں جو احکام خداوندی کے بلاوے پر لبیک کہتے ہوئے آتے ہیں۔ اقامت صلٰوۃ کرتے ہیں امور مملکت باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں اور اس پر غور و فکر کرتے ہیں کہ فریضہ انفاق کی ادائیگی کے لئے کس قسم کی تدابیر اختیار کی جائیں"۔ صدر اول کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب مملکت کے کسی اہم معاملہ کے لئے مشاورت کی ضرورت لاحق ہوتی تو حکومت کی طرف سے ان الفاظ میں منادی کرائی جاتی کہ اَلصَّلٰوةُ الْجَامِعَةُ۔ اس پر لوگ اس اجتماع میں شرکت کے لئے جمع ہو جاتے۔ چونکہ مشاورت کی غایت، قوانین خداوندی کے سامنے سرتسلیم خم کرنا تھا اس لئے اس کی ابتدا، نماز کی شکل میں ہوتی۔ (جس طرح اب ہمارے ہاں رسمی طور پر جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے کیا جاتا ہے) اس سے ظاہر ہے کہ یہ اجتماعات وقت مقررہ پر ہوتے تھے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (4/103)۔ یاد رکھو! صلٰوۃ، مومنین کے لئے ایک موقت فریضہ ہے۔ یعنی ایسا فریضہ جس کی وقت معین پر ادائیگی کی جائے گی۔ بالفاظ دیگر جو وقت اس کے لئے مقرر کیا گیا ہو اس وقت اس اجتماع میں شرکت لازمی ہو گی۔

ان اجتماعات کے لئے یہی وہ بلاوا ہے جسے قرآن نے ندائے صلٰوۃ

(اذان) سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً سورۃ جمعہ میں ہے : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ (62/9)۔ اے افراد جماعت مومنین ! تمہیں یوم الجمعۃ کو صلوٰۃ کے لئے آواز دی جائے تو سب کام کاج چھوڑ کر مقام اجتماع کی طرف لپک کر آجایا کرو کیونکہ وہاں "اللہ کی باتیں" ہوں گی۔ دوسری جگہ ہے وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا (5/58)۔ مخالفین کی حالت یہ ہے کہ جب تم الصلوٰۃ جیسے اجتماع کے لئے منادی کرتے ہو تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ صلوٰۃ کے بعد مسجد میں جملہ معاملات طے پاتے تھے۔ مثلاً سورۃ مائدہ میں ہے کہ جب وصیت کے معاملہ میں کوئی متنازعہ فیہ امر فیصلہ طلب ہو تو صلوٰۃ کے بعد متعلقہ پارٹیوں کو وہاں روک لیا کرو تاکہ اس معاملہ کا قانون کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے (5/1-6)

جس شکل میں نماز پڑھی جاتی ہے اس کی تمام جزئیات قرآن کریم میں نہیں آئیں۔ صرف چند ایک (مثلاً قیام۔ رکوع۔ سجدہ) کا اجمالی طور پر ذکر قران میں آیا ہے۔ ان جزئیات کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ انہیں حضور نبی اکرمؐ نے مقرر فرمایا تھا۔ چشم ما روشن' دل ماشاد۔ لیکن اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ یہ ظاہر ہے کہ امت میں کئی فرقے ہیں اور ایک فرقہ کی نماز کی جزئیات اور دوسرے فرقوں کی نماز کی جزئیات میں فرق اور اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اس قدر شدید ہے کہ اس کی بناء پر بحث و مناظرہ ہی نہیں' دنگا فساد تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ پولیس اور عدالت تک۔ اس کے باوجود ہر فرقہ کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کی نماز وہی ہے جو حضور نبی اکرمؐ نے ادا فرمائی تھی۔

حضور نبی اکرمؐ ساری عمر نماز ادا فرماتے رہے۔ تنہا نہیں' سینکڑوں ہزاروں صحابہؓ کی موجودگی میں۔ ان سب نے اسی طرح نماز ادا کی جس طرح انہوں نے حضورؐ کو ادا کرتے دیکھا تھا۔ (ایک حدیث بھی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تم اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو)۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نمازوں میں اختلاف کب پیدا ہوا اور کس طرح پیدا ہوا؟ اور پیدا بھی اس طرح ہوا کہ اس کے مٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں ! اب متعین طور پر فیصلہ ہی نہیں کیا جا سکتا کہ حضورؐ نے نماز کس شکل میں ادا فرمائی تھی۔

موجودہ نماز تفرقہ کی مظہر ہے

قرآن کریم نے الصلوٰۃ کو امت میں وحدت پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا ذریعہ قرار دیا تھا۔ اس نے سورۃ روم میں کہا کہ اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ط كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (30/31-32)- تم صلوٰۃ قائم کرنا اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے دین میں تفرقہ پیدا کر لیا' فرقوں میں بٹ گئے اور پھر کیفیت یہ ہو گئی کہ ہر فرقہ یہ سمجھنے لگ گیا کہ میں حق پر ہوں اور باقی سب باطل پر ہیں۔ گویا قرآن کریم نے صلوٰۃ کو امت میں وحدت پیدا کرنے اور وحدت برقرار رکھنے کا ذریعہ بتایا تھا اور تفرقہ کو شرک۔ لیکن وائے بدنصیبی کہ اب وہی صلوٰۃ (نماز کی شکل میں) امت کے تفرقہ کا مظہر قرار پا گئی ہے۔ کسی جلسہ میں دس ہزار مسلمان بیٹھے ہوں ان میں فرقہ بندی کی کوئی محسوس علامت سامنے نہیں آئے گی' سب ایک امت کے افراد دکھائی دیں گے لیکن اس دوران میں اگر نماز کی اذان سنائی دے تو ان میں سے ایک ٹولی ایک مسجد کا رخ کرے گی دوسری ٹولی دوسری مسجد کا۔ اور اس طرح ان کے گروہ مندانہ اختلافات ابھر کر سامنے آجائیں گے اور ان اختلافات کی شدت کا یہ عالم ہو گا کہ ایک فرقہ سے متعلق مسلمان کو دوسرے فرقہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور اگر وہ بھولے بھٹکے دوسرے فرقے کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لے گا تو دہائی مچ جائے گی کہ اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اس تفرقہ سے وہ لوگ بچیں گے جو نماز پڑھنے نہیں جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جتنی کثرت سے لوگ نماز پڑھیں گے اتنی کثرت سے امت کے اختلافات ابھر کر نمایاں ہو جائیں گے۔ کچھ عرصہ پہلے دفاتر میں نماز پڑھنے کی

تحریک شروع ہوئی تھی۔ اس سے پہلے برسوں سے دفتر کے اہل کار بلا اختلاف اپنے اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔ نماز باجماعت کی تحریک شروع ہوئی تو ایک ہی دفتر میں نہیں بلکہ ایک ہی کمرے میں' شیعہ۔ سنی۔ وہابی۔ دیو بندی۔ بریلوی کے گروہ الگ الگ ہو گئے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ (مولانا) نورانی نے صدر مملکت سے کہا تھا کہ وہ (اور تو اور) مسجد الحرام میں امام کعبہ کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھتے۔

- قرآن مجید میں صرف ایک مسجد کا ذکر ہے جو تفرقہ کا موجب تھی۔ اسے مسجد ضرار کہہ کر پکارا گیا اور کفر کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اور خدا اور رسول کے دشمنوں کی آماجگاہ۔ یہ اس لئے کہ وہ تفریق بین المومنین کا موجب تھی (9/107)... رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ اس میں قدم تک نہ رکھیں۔ تاریخ بتاتی ہے اسے آپ نے مسمار کرا دیا حالانکہ اس کے بنانے والے قسمیں کھاتے رہے کہ ان اردنا الا الحسنیٰ (9/107)۔ ہماری نیت بڑی نیک تھی۔ اب ہماری ہر مسجد تفریقاً بین المومنین کا موجب اور مظہر ہے۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے ہاں ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے کہا کہ یہ تمام اختلافات احادیث کے پیدا کردہ ہیں۔ ہم قرآن سے نماز کی جزئیات متعین کریں گے۔ یعنی اس قرآن سے جس میں یہ جزئیات ہیں ہی نہیں۔

فرقہ اہل قرآن اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس فرقہ کے بانی (مولانا) عبداللہ چکڑالوی تھے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی رو سے پانچ وقت کی نماز۔ ہر نماز میں دو' تین' چار رکعتیں' اور ہر رکعت میں دو سجدے ہیں۔ ان کے مقتدی۔ لاہوری فرقے نے کہا کہ یہ صحیح نہیں۔ قرآن کی رو سے' تین وقت کی نماز۔ ہر نماز کی دو رکعتیں اور ہر رکعت میں ایک سجدہ ہے اور اسی قسم کے اختلافات اور بھی۔ یعنی قرآن اس اعتراض سے بچا ہوا تھا کہ اس میں اختلافات نہیں۔ انہوں نے اسے بھی نہ چھوڑا۔

اک دسترس سے تیری حالیؔ بچا ہوا تھا

اس کے بھی دل پہ آخر چرکہ لگا کے چھوڑا

میں نے ان کے اس نظریہ اور مسلک کی شدت سے تردید کی اور "فرقہ اہل قرآن کی گمراہیاں" کے عنوان سے ایک مفصل پمفلٹ میں ان کے دلائل کا ابطال کیا۔ (طرفہ تماشا ملاحظہ ہو کہ ہمارے مولانا صاحبان خود مجھے "اہل قرآن" کہتے ہیں ! یا للعجب !!)

سوال ابھرے گا کہ امت میں جو اختلافات پیدا ہو چکے ہیں' وہ مٹ کس طرح سے سکتے ہیں؟ ان کا مٹنا اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رو سے' امت میں اختلاف خدا کا عذاب ہے (3/104)- اور تفرقہ شرک (30/31)- خدا نے اس امت کو امت واحدہ بنایا تھا۔ اس لئے جب تک اس امت میں اختلافات تفرقہ۔ فرقے باقی ہیں' یہ امت' امت مسلمہ نہیں قرار پا سکتی۔ صرف مسلمان نام رکھنے والی قوم ہی بن سکتی ہے۔ اور جب تک یہ قوم امت مسلمہ نہیں بنتی' نہ انکی مملکت' اسلامی مملکت ہو سکتی ہے۔ نہ ان کے اعمال و ارکان اسلام کا مقصد پورا کر سکتے ہیں۔ جس طرح ہم مسلمانوں جیسا نام رکھ لینے سے حقیقی مسلمان نہیں بن جاتے' اسی طرح ارکان اسلام (نماز_ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ) کی شکلیں قائم رکھنے سے' یہ اس مقصد کو پورا نہیں کر سکتے جس کے لئے انہیں خدا نے متعین کیا تھا۔ اقبالؒ نے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی تھی جب کہا تھا کہ :

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل' وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج !
یہ سب باقی ہیں' تو باقی نہیں ہے

بالفاظ دیگر :-

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق

کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

اسلامی مملکت کا اولیں فریضہ امت کے اختلافات مٹانا اور انہیں اسلامی ارکان کے ظواہر کی روح سے آشنا کرانا اور ان کا مقصد بروئے کار لانا ہو گا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں دو ایک مغالطوں کا دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہیں پیدا کر کے' پراپیگنڈہ کی مہم تیز کی جاتی ہے۔ میں جب اسلامی مملکت یا اسلامی حکومت کہتا ہوں تو اس سے مراد ہوتی ہے خلافت علیٰ منہاج رسالت۔ یعنی وہی مملکت جیسی عہد رسالتماب' اور زمانہ خلافت راشدہ میں قائم ہوئی تھی جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا جملہ کاروبار کتاب اللہ کے مطابق سرانجام پاتا تھا۔ اس مملکت کی سنٹرل اتھارٹی کے لئے میں نے "مرکز ملت" کی اصطلاح اختیار کی تھی۔ وہ اتھارٹی (جسے اب سربراہ مملکت کہا جاتا ہے)۔ مرکز (Centre) تھی اور امت محیط جس کا ہر نقطہ مرکز سے یکساں فاصلہ پر تھا' اور وہ اس وقت تک قائم تھی جب تک مرکز قائم تھا۔ اسلامی نظام کے لئے (میرے نزدیک) یہ نہایت برجستہ اور تامہ تشبیہ تھی۔ قرآن کریم کی روشنی میں اس مرکز کا ہر فیصلہ حرف آخر قرار پاتا تھا۔

مغالطہ آفرینی اور افترا پردازی کی رو سے' میرے خلاف کہا یہ گیا کہ میں پاکستان کی مختلف حکومتوں کے سربراہوں کو "مرکز ملت" قرار دیتا ہوں۔ استغفراللہ۔ جو شخص ان حکومتوں کو اسلامی تسلیم نہیں کرتا' وہ اُن کے سربراہوں کو' اسلامی نقطہ نگاہ سے مرکز ملت کیسے کہے گا؟ انہیں ملت سے کیا واسطہ اور اسلام سے کیا تعلق۔

جب میں کہتا ہوں کہ امت کے اختلافات اسلامی نظام' یا اسلمای مملکت مٹائیگی تو اس سے مراد قرآنی مملکت یا نظام ہوتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اس انداز کی حکومت یا نظام کو ایک بار پھر قائم ہونا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دین خداوندی (قرآنی نظام) کو تمام ادیان (انسانیت ساز نظاموں) پر آخرالامر غالب آنا ہے۔ اور وہ اسی صورت میں غالب آئے گا کہ اس انداز کی مملکت قائم ہو۔ امت کے اختلافات یہ مملکت دور کرے گی۔

امت کے اختلافات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (i) عقائد میں اختلافات (ii) اور ارکان اسلام (نماز روزہ وغیرہ) کی ادائگی میں اختلافات۔ عقائد کے اختلافات دور کرنے کا طریق یہ ہو گا کہ انہیں قران کی روشنی میں پرکھ لیا جائے۔ جو اس کے مطابق ہوں انہیں رکھ لیا جائے جو اس کے خلاف ہوں انہیں مسترد کر دیا جائے۔

جہاں تک ارکان اسلام کا تعلق ہے' ان کا حکم تو قرآن کریم میں موجود ہے لیکن ان کی جزئیات (بہ تمام و کمال) قرآن میں موجود نہیں۔ (مثلاً صلوٰۃ_ یعنی مروجہ نماز کو لیجئے) جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہ جزئیات قرآن میں نہیں اور ان میں ہر فرقہ کا اختلاف ہے۔ اور ہر فرقہ کا دعویٰ کہ اس کی نماز۔ رسولؐ اللہ کی نماز جیسی ہے۔ اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کر دیتا ہے۔ ہر فرقہ ایسا ہی کہتا ہے ان حالات میں' اس نظام کے لئے بھی یہ ممکن نہیں ہو گا کہ وہ حتمی اور یقینی طور پر طے کر سکے کہ مروجہ فرقوں کی نمازوں میں سے کون سی نماز رسولؐ اللہ کی نماز جیسی ہے۔ یہ دقت نماز ہی میں نہیں۔ باقی ارکان اسلام کی جزئیات میں بھی پیش آئے گی۔

اب صورت یہ پیدا ہوئی کہ

1- ان اختلافات کے مٹائے بغیر' امت' امت مسلمہ نہیں بن سکتی۔ اور

2- یہ اختلافات' موجودہ ذرائع (احادیث اور فقہ) کی رو سے مٹ نہیں سکتے۔ تو پھر اسلامی نظام کرے گا کیا؟

میری قرآنی بصیرت اس طرف راہنمائی کرتی ہے کہ قرآن کریم نے امت یا اسلامی مملکت کے متعلق جو کہا ہے کہ ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں گے تو یہ ان معاملات کے متعلق ہے جن کا اصولی حکم تو قرآن کریم میں دیا گیا ہے لیکن ان کی جزئیات اس نے خود متعین نہیں کیں۔ ان جزئیات کا تعین اسلامی نظام' امت کے مشورہ سے کرے گا۔ اس کا فیصلہ قول فیصل ہو گا جس کا اطلاق ساری امت پر یکساں ہو گا۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ (اس وقت) ہر فرقہ اس طریق کی مخالفت کریگا۔ اس لئے کہ کوئی فرقہ بھی

اپنے طریق کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ ان سے یہی کہا جائے گا کہ اس کے سوا کوئی اور طریق ایسا ہو جس سے یہ اختلافات مٹ سکیں' تو آپ اسے تجویز فرما دیجئے۔ ان میں سے ہر فرقہ یہی کہے گا کہ ان کے طریق کو تمام فرقوں پر مسلط کر دیا جائے تو اختلافات مٹ جائیں گے؟ یہ کہتے وقت اسے فراموش نہ کیجئے کہ ایسا ہر فرقہ کہے گا تو کیا اس سے اختلافات مٹ جائیں گے؟

لیکن جب تک ایسا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت جیسا قرآنی نظام) قائم نہیں ہو جاتا ہر فرقہ اپنے اپنے طریق پر ان ارکان کو ادا کرتا رہے لیکن اس میں اس قسم کی شدت پیدا نہ کی جائے جس سے سر پھٹول تک نوبت پہنچ جائے۔ نہ ہی کسی کو اس کی اجازت دی جائے کہ مروجہ طریقوں میں کسی قسم کا رد و بدل کرے۔ یا (اہل قرآن کی طرح) کوئی نیا طریق وضع اور اختیار کرے۔ اس سے امت میں مزید انتشار پیدا ہو جائیگا۔ میرا یہی مسلک ہے۔

میں نے اوپر کہا ہے کہ اس وقت ارکان اسلام کی صرف ظاہرا شکل باقی ہے۔ ان کی روح باقی نہیں جس سے وہ مقاصد حاصل ہوتے تھے جن کے لئے انہیں تجویز کیا گیا تھا۔ رہ گئی رسم اذاں' روح بلالی نہ رہی۔ میرا مسلک یہ ہے کہ جب تک اسلامی مملکت قائم نہیں ہوتی ان ظواہر کو اسی طرح باقی رکھا جائے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں ہمارے قومی تشخص کا ذریعہ ہیں۔ جس قسم کے بھی ہم ہیں' ان سے بہرحال' ہماری پہچان ہو جاتی ہے' جس طرح ہمارے نام سے' غیر مسلموں سے ہمارا امتیاز ہو جاتا ہے حالانکہ وہ صرف نام ہی ہوتا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جب کبھی اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آئے گا ان بے روح پیکروں میں قرآنی روح پھونکنا آسان ہو گا۔ ہمیں تاسیس کی ضرورت نہیں پڑیگی۔ اقبال نے جب کہا تھا کہ۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

تو اس میں مندرجہ بالا دونوں مقاصد شامل تھے۔

لیکن ان ظواہر سے متمسک ہونے سے اگر ہم سمجھ لیں کہ ان کی ادائیگی سے منشاء خداوندی پورا ہو جاتا ہے تو یہ بہت بڑی خود فریبی ہو گی۔ ظواہر کی شکلوں کی پابندی یا ارکان اسلام پر میکانکی طور پر عمل پیرا ہونے سے' ان کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا' اس طرح ایک صف میں کھڑے ہونے کے باوجود' محمود' محمود رہتا ہے اور ایاز' ایاز۔ حقیقی صلٰوۃ میں نہ محمود' محمود رہے گا نہ ایاز' ایاز۔ دونوں خدا کے عبد اور یکساں تکریم انسانیت کے مستحق ہوں گے۔ صدر اول میں امت نے رفعت اور بلندیوں کے جو بے مثال مقامات حاصل کئے تھے تو ان ارکان کے ظواہر کی پابندی سے نہیں۔ ان کی گہرائیوں میں ڈوب کر کئے تھے۔ اس وقت عمر ابن خطاب' بلالؓ حبشی" کو سیدنا بلال کہہ کر سلام کرتا تھا۔ اور چشم فلک نے یہ جنت بدوش نظارہ دیکھا تھا کہ

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہ ہے قرآنی صلٰوۃ جو تکریم انسانیت کا واحد اور منفرد ذریعہ ہے۔

پرویز